

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة البقرة

(۲۱)

گزشتہ سے پیوستہ

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ، فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ، وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ، وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ

حج کے متعین مہینے ہیں۔ سو ان میں جو شخص بھی (احرام باندھ کر) حج کا ارادہ کر لے، اُسے پھر حج کے اس زمانے میں نہ کوئی شہوت کی بات کرنی ہے، نہ خدا کی نافرمانی کی اور نہ لڑائی جھگڑے کی کوئی بات اُس سے سرزد ہونی چاہیے۔ اور (یاد رہے کہ) جو نیکی بھی تم کرو گے، اللہ اُسے جانتا ہے۔ اور (حج کے اس سفر میں تقویٰ [۵۳۸] موقع دلیل ہے کہ حج کا لفظ یہاں علی سبیل التغلیب حج اکبر اور حج اصغر، یعنی حج و عمرہ، دونوں ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

[۵۳۹] یعنی یہ کچھ ایسی لامحدود اور غیر متعین مدت نہیں ہے کہ اس کی پابندیوں سے لوگ ہراساں ہوں۔ زیادہ سے زیادہ چند مہینوں کی بات ہے۔ بندہ مومن کو حوصلے کے ساتھ اور خدا سے ڈرتے ہوئے یہ مدت پوری احتیاط کے ساتھ گزارنی چاہیے۔

[۵۴۰] اصل میں فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ کے الفاظ آئے ہیں۔ ان میں فَرَضَ فِيهِنَّ کا اسلوب دلیل ہے کہ اس سے مراد وہی وقت ہے، جب آدمی احرام باندھ کر حج کا پختہ عزم کر لیتا ہے۔

[۵۴۱] یہاں جن تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے، ان کی ممانعت کے وجہ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اپنی تفسیر

الزَّادِ التَّقْوَى، وَاتَّقُونَ يَا وَلِيَّ الْأَلْبَابِ - ﴿١٩٤﴾

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ۔ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَتٍ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ، وَاذْكُرُوا كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ

کا) زادراہ لے کر نکلو، اس لیے کہ بہترین زادراہ یہی تقویٰ کا زادراہ ہے۔ اور عقل والو، مجھ سے ڈرتے رہو۔ ۱۹۷
(اس کے ساتھ، البتہ) کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو، لیکن (یاد رہے کہ مزدلفہ کوئی کھیل تماشے اور تجارت کی جگہ نہیں ہے، اس لیے) جب عرفات سے چلو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اُسی طرح یاد کرو، جس طرح اُس نے تمہیں ہدایت فرمائی ہے۔ اور اس سے پہلے تو بلاشبہ تم لوگ گم راہوں میں اس طرح واضح فرمائے ہیں:

”ایک وجہ تو یہ ہے کہ اسلام میں یہ عبادت انسان کو ترک دنیا اور زہد کی اس آخری حد سے آشنا کرنے والی ہے جس سے آشنا ہونا اسلام میں مطلوب و مرغوب ہے اور جو تربیت و تزکیہ کے لیے ضروری ہے۔ اس سے آگے رہبانیت کی حدیں شروع ہو جاتی ہیں جن میں داخل ہونے سے اسلام نے روکا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ احرام کی پابندیوں کی وجہ سے ان چیزوں کے لیے نفس کے اندر اکساہٹ بہت بڑھ جاتی ہے۔ انسان کے اندر یہ کمزوری ہے کہ جس چیز سے وہ دوک دیا جائے، اس کی خواہش اس کے اندر دوچند ہو جاتی ہے اور شیطان اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ سفر کی حالت ہونے کے سبب سے ان چیزوں کے مواقع بہت پیش آتے ہیں۔ آدمی اگر چوکنانہ رہے تو ہر قدم پر فتنہ میں پڑ سکتا ہے۔“ (تذکرہ قرآن ۱/۲۸۵)

[۵۴۲] اصل الفاظ ہیں: تَزُودُوا فَا ن خَيْرُ الزَّادِ التَّقْوَى۔ عربیت کی اداناس جانتے ہیں کہ ’فان‘ کا لفظ جب اس طرح آتا ہے تو اپنے ماقبل کی توجیہ و تعلیل کے لیے آتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھیے تو ضروری ہے کہ ’تَزُودُوا‘ کے بعد ’التَّقْوَى‘ کا لفظ اس جملے میں حذف مانا جائے۔ اس کی کوئی دوسری تالیف یہاں کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتی۔

[۵۴۳] اس سے مراد معاشی فوائد ہیں۔ ’فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ‘ کی تعبیر قرآن میں بالعموم اسی مفہوم کے لیے آئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حج کے سفر سے اصل مقصود توجج ہی ہونا چاہیے، لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی شخص اس سفر سے اپنے لیے کچھ معاشی فوائد بھی حاصل کر لے۔

[۵۴۴] یہ اس لیے فرمایا ہے کہ جاہلیت میں لوگ مزدلفہ پہنچتے تو وہاں تسبیح و تہلیل اور ذکر و عبادت کے بجائے جگہ جگہ

كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿١٩٨﴾
 ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ، وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ، إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
 رَّحِيمٌ ﴿١٩٩﴾

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ
 ذِكْرًا۔ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِمَّنْ

میں تھے۔ ۱۹۸

پھر (یہ بھی ضروری ہے کہ) جہاں سے اور سب لوگ پلٹتے ہیں، تم بھی، (اے قریش کے لوگو)، وہیں سے
 پلٹو اور اللہ سے مغفرت چاہو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔ ۱۹۹

(اور یہ بھی کہ) اِس کے بعد جب حج کے مناسک پورے کر لو تو جس طرح پہلے اپنے باپ دادا کو یاد
 کرتے رہے ہو، اُسی طرح اب اللہ کو یاد کرو، بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔ (یہ اللہ سے مانگنے کا موقع ہے)، مگر
 لوگوں میں ایسے بھی ہیں کہ وہ (اِس موقع پر بھی) یہی کہتے ہیں کہ پروردگار، ہمیں دنیا میں دے دے، اور (اِس)

آگ جلاتے اور قصیدہ خوانی، داستان گوئی اور مفاخرت کی مجلسیں منعقد کرتے تھے۔

[۵۴۵] مطلب یہ ہے کہ حج و عمرہ کے بارے میں اس رہنمائی کی قدر کرو جو قرآن کے ذریعے سے تمہیں دی جا رہی
 ہے۔ اس سے پہلے تو اللہ کے مقرر کردہ ان شعائر کو تم نے کھیل تماشے کی جگہ بنا رکھا تھا۔ یہ خدا کی عنایت ہے کہ علم و معرفت کی
 ان جلوہ گاہوں کی حقیقت اس نے تم پر واضح کر دی ہے۔

[۵۴۶] اس ہدایت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ زمانہ جاہلیت میں قریش نے یہ امتیاز قائم کر لیا تھا کہ عرفات کی
 حاضری وہ اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتے تھے اور مزدلفہ تک جا کر ہی پلٹ آتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ بیت اللہ کے پروہت
 اور مجاور ہیں، اس وجہ سے ان کے لیے حد و حرم سے باہر نکلنا مناسب نہیں ہے۔

[۵۴۷] یعنی قیام منیٰ کے ایام میں اپنے باپ دادا کے لیے مفاخرت کی جو مجلسیں تم منعقد کرتے رہے ہو، ان کی جگہ اور
 ان سے زیادہ اہتمام اور جوش و خروش کے ساتھ تمہیں اب اپنے پروردگار کی یاد میں مشغول ہونا چاہیے۔

[۵۴۸] حج و عمرہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد غلامی کی تجدید اور ابلیس کے خلاف انسان کی ابدی جنگ کا نہایت روح پرور
 علامتی اظہار ہیں، لیکن انسان کی بدقسمتی ہے کہ وہ ایسی عظیم عبادات کو بھی بالعموم اپنے دنیوی مفادات کے حوالے ہی سے

خَلَّاقٌ، ﴿٢٠٠﴾ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ ﴿٢٠١﴾ أُولَئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا، وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ ﴿٢٠٢﴾

کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پھر) آخرت میں اُن کا کوئی حصہ نہیں رہتا۔ اور ایسے بھی ہیں کہ جن کی دعا یہ ہوتی ہے کہ پروردگار، ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ ۵۴۹ یہی ہیں جو اپنی کمائی کا حصہ پالیں گے، اور اللہ کو حساب چکاتے کبھی دیر نہیں لگتی۔ ۲۰۰-۲۰۲

دیکھتا ہے۔

[۵۴۹] اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا یہی طریقہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”اس دعا سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ بندے کو اپنے رب سے دنیا اور آخرت، دونوں کی بھلائی طلب کرنی چاہیے اور اس بھلائی کا فیصلہ اور انتخاب اسی پر چھوڑنا چاہیے۔ وہی سب سے زیادہ بہتر طریقہ پر چھوڑ جانتا ہے کہ ہمارے لیے حقیقی خیر کس چیز میں ہے۔ خاص طور پر دنیا کی چیزوں میں سے کسی چیز کا خیر ہونا تو منحصر ہے اس امر پر کہ وہ چیز ہمارے لیے آخرت کی کامیابی کا وسیلہ و ذریعہ بن سکے اور کسی چیز کے اس پہلو کو جاننا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ اس وجہ سے بندے کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ اس معاملے کو اللہ تعالیٰ ہی پر چھوڑے، اپنی طرف سے کوئی تجویز پیش نہ کرے۔ البتہ، دوزخ کے عذاب سے برابر پناہ مانگتا رہے۔ یہ بڑی سخت چیز ہے۔ بندے کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے پناہ میں رکھے۔“ (تذبرقرآن ۱/۴۸۸)

[۵۵۰] موقع کلام دلیل ہے کہ یہاں یہ جملہ تسلی کے سیاق میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مطمئن رہو، خدا کے وعدوں کے پورے ہونے میں دیر نہیں ہوگی۔ تمہارا اجر تمہیں ملے گا تو یہی سمجھو گے کہ تمہاری مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ہی تمہیں مل گئی ہے۔

استاذ امام امین احسن اصلاحی نے اس کی وضاحت میں لکھا ہے:

”یہاں یہ نکتہ بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ ان معاملات میں ساری اہمیت اس احساس کی ہے جو انسان کو جزا و سزا کے وقت ہوگا۔ اگر جزا و سزا کے وقت کا احساس یہی ہوگا کہ عمل اور جزا کے درمیان کا فاصلہ اب بالکل غائب ہو گیا تو پھر یہ فاصلہ بالکل ناقابل لحاظ ہے۔ پھر تو صحیح یہی ہے کہ مجرم اپنی سزا کو سامنے رکھے اور مومن اپنی جزا کو۔ نہ وہ مہلت سے مغرور ہونے یا تاخیر سے بے صبر۔ اور اگر کوئی شخص اپنی نافرمانی سے اس فاصلے کو اہمیت دے بھی تو اسے یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ’من مات فقد قامت قیامتہ‘ کہ جو شخص مرا، اس کی قیامت کھڑی ہو گئی۔“ (تذبرقرآن ۱/۴۸۹)

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٠٣﴾

اور (منی کے) چند متعین دنوں میں اللہ کو یاد کرو۔ پھر جس نے جلدی کی اور دو ہی دنوں میں چل کھڑا ہوا، اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو دیر سے چلا اُس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ (ہاں، مگر) اُن کے لیے جو اللہ سے ڈریں ۵۵۳ اور تم بھی اللہ سے ڈرتے رہو، اور خوب جان لو کہ (ایک دن) تم اُسی کے حضور میں اکٹھے کیے جاؤ گے۔ ۵۵۴ ۲۰۳

[۵۵۱] اصل میں 'فی ایام معدودات' کے الفاظ ہیں۔ یعنی گنے ہوئے دن۔ یہ اسلوب جس طرح بیانِ تقلیل کے لیے موزوں ہے، اسی طرح اگر غور کیجیے تو تعین و تحدید کے لیے بھی بالکل موزوں ہے۔ ہمارے نزدیک، اس آیت میں یہ اسی دوسرے مفہوم میں ہے۔

[۵۵۲] یعنی اجازت ہے کہ کوئی شخص ۱۳ ذوالحجہ تک ٹھیرے یا ۲ کو واپس چلا آئے۔ دونوں ہی صورتوں میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عبادات میں جو چیز جس طرح متعین کر دی جائے، اس میں جس طرح کمی جائز نہیں ہے، اسی طرح اضافہ بھی جائز نہیں ہے۔

[۵۵۳] یعنی اصل اہمیت اس کی نہیں کہ لوگ کتنے دن ٹھیرے، بلکہ اس کی ہے کہ جتنے دن بھی ٹھیرے، خدا کی یاد میں اور اس سے ڈرتے ہوئے ٹھیرے۔ عبادت کی روح تقویٰ ہے۔ رسوم و آداب سے یہی مقصود ہے۔ یہ ہو تو دودن بھی بہت ہیں اور نہ ہو تو دس دن کے قیام سے بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

[۵۵۴] یہ آخر میں تنبیہ ہے کہ جس طرح یہاں اکٹھے ہو، روزِ حشر بھی اسی طرح خدا کے حضور میں اکٹھے کیے جاؤ گے۔ یہاں سے بھاگ سکتے ہو، لیکن اس دن کسی کے لیے بھی خدا کے حکم کے بغیر اس کے سامنے سے ہٹنا ممکن نہ ہوگا۔

[باقی]